اقتباسات

مسلمان غیروں کی نگاہ میں

[پچھلے دنوں شاہ جارج ششم کی تاج پوشی کے موقع پر لنڈن میں برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کا سالانہ اجتماع ہوا تھا جس میں سوسائٹی کے مبلغین نے دنیا کے مختلف حصوں کے متعلق اپنے اپنے شاہدات و تجربات بیان کئے تھے۔ اس سلسلہ میں ریورینڈ اے۔ایچ۔ ولکنس نے ٹرکی، شام، فلسطین، عراق اور ایران کے متعلق جو کچھ کہا وہ ہمارے لیے خاص طور پر سبق آموز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ریورینڈ ولکنس کے تمام بیانات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ بلاشبہ ان میں بعض باتیں مبالغہ آمیز بھی ہیں، مگر ہم جس غرض کے لیے ان کی تقریر یہاں نقل کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کی نگاہ سے اپنے آپ کو دیکھیں اور یہ معلوم کریں کہ ہماری کونسی کمزوریاں ہیں جن سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھانے کی توقع رکھتے ہیں اور کون کون سے حربے ہیں جو ہمارے شیرازہ کو توڑنے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں]

ریورینڈ ولکنس نے صدر، لارڈ ڈیسنکے کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا:-

گذشتہ سال کے اختتام پر میں نے جنوبی شرقی یورپ سے لیکر ایران تک تمام شرق قریب کا دورہ کیا۔ میں اس صحبت میں جو کچھ بیان کرنے والا ہوں وہ یورپین علاقہ اور مصر کے متعلق نہیں ہے بلکہ زیادہ تر اس وسیع علاقہ کے متعلق ہے جس میں ٹرکی، شام، فلسطین، عراق، اور ایران شامل ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہی علاقہ اسلام کا قلب ہے۔ اس علاقہ کے متصل ہی جنوب میں وہ ملک واقع ہے جہاں سے یہ مذہب اٹھا تھا۔ ہر اعتبار سے یہ علاقہ دین محمدی کا فطری وطن کہا جا سکتا ہے، اور اس قلب کی ہر حرکت مختلف

راستوں سے دنیائے اسلام کے بعید ترین گوشوں تک کی نبضوں میں جنبش پیدا کر دیتی ہے۔ بحر الکاہل کے جزائر اور جاوا، وسط افریقہ کے دور دراز علاقے اور الجزائر و مراکش سب اس مرکز کے ساتھ مربوط ہیں۔ لہٰذا یہ نامناسب نہ ہوگا کہ آج کی صحبت میں ہم تھوڑا سا وقت اس قلب کی حالت کا جائزہ لینے میں صرف کریں۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے میں نہیں سمجھتا کہ یہ دل آج بھی اتنا ہی صحیح و سالم اور مضبوط ہوگا، جتنا اب سے پہلے، ربع صدی پہلے تک تھا، کیونکہ غیر متبدل مشرق میں بھی اب بڑے تغیرات رونما ہو رہے ہیں اور یورپ کے ہیجانات ہر طریقے سے ان علاقوں کی زندگی میں حرکت پیدا کر رہے ہیں۔

سب سے پہلے میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف منعطف کراؤنگا کہ اس علاقہ میں تین بڑی بڑی قومیں آباد ہیں۔ ترک۔ ایرانی۔ اور عرب۔ یہ تین مختلف نسلوں کے لوگ ہیں جن پر نئی قوتوں کے اثرات ایک ہی رنگ میں پڑ رہے ہیں، اگرچہ کمیت کے اعتبار سے ان میں فرق ضرور ہے۔ ایرانی کبھی فطری مسلمان نہیں رہا ہے۔ وہ ایک خوش باش لذت پسند انسان ہوتا ہے۔ اسے اپنی شراب سے عشق ہے اور محمدؐ نے اسے حرام کر رکھا ہے۔ وہ اپنے آرٹ کا شیدائی ہے (مگر اسلام کی بندشوں کے سبب سے) وہ مجبور ہے کہ اپنے اس ذوق اور اپنی اس رنگ آفرینی کا اظہار بس اپنی قالینوں کے نقوش میں کیا کرے۔ اس کی یہ قالینیں بہترین کاریگری کا نمونہ پیش کرتی ہیں، مگر وہ دراصل اس بات کی علامت ہیں کہ ان کی پشت پر ایرانی آرٹ کے کس قدر زیادہ وسیع امکانات پوشیدہ ہیں۔ وہ فطرۃً شاعر بھی ہے، مگر اس کی شعریت پر بہت سی بندشیں لگا دی گئی ہیں، اور جب سے محمدؐ کا تسلط اس کی سرزمین پر ہوا ہے، وہ کوئی چیز زیادہ قابل قدر پیدا نہیں کر سکا (؟)۔ غرض ایران کی زمین میں اسلام فطرۃً نامانوس ہے۔ اب رہے ترک، تو لوگ کہتے ہیں کہ مذہبیت انسان کی فطرت میں داخل ہے، اور خود میرے نزدیک بھی یہ کہنا درست ہے کہ آج تک دنیا میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں پایا گیا جس میں مذہب کا کوئی اثر نہ ہو، مگر جن کثیر التعداد قوموں سے مجھے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملا ہے (میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ واقفیت زیادہ تر سطحی ہے) ان میں ترک مجھ کو خصوصیت

کے ساتھ لامذہب نظر آیا۔ اس کے لیے مذہب محض ایک اوپری غلاف ہے۔ اس نے اسلام کو ایک سیاسی سہولت کے طور پر قبول کیا تھا۔ اور اب کہ اسلام کی وہ حیثیت باقی نہیں رہی، اس نے اس غلاف کو اتار پھینکا ہے۔ تیسری قوم یعنی عرب ان دونوں سے مختلف ہے۔ وہ محمد کا خون اور گوشت ہے۔ اسلام اسی کے صحراؤں کا وطن پروردہ تو ہے۔

مگر ان تینوں قوموں یا نسلوں میں اب بڑے تغیرات رونما ہو رہے ہیں۔ اب ان کو ایک دوسری قسم کی عصبیت مل گئی ہے، اور وہ قومی عصبیت ہے جس کا دنیا کے اکثر و بیشتر علاقوں میں بول بالا ہو رہا ہے۔ ٹرکی میں ایک مطلق العنان لیڈر کے ماتحت ملک نے ایک ایسی وحدت حاصل کر لی ہے جو صدیوں سے اس کو نصیب نہ تھی۔ وہ حب وطن کے تازہ نشہ میں سرشار ہے۔ ایک جدید سیاسی اور تجارتی وجود کی حیثیت سے اس کی تنظیم ہو رہی ہے اور باشندگان ملک کا تمام جوش و خروش اسی راہ میں صرف ہو رہا ہے۔ کمال اتاترک ایک سخت لامذہب آدمی ہے، اور اس نے اپنی قوم والوں کے لیے پیغمبر کے اتباع کو کوئی آسان کام نہیں رہنے دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مذہب کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا ہے، مگر ہم جانتے ہیں کہ آزادی ایک ایسی چیز ہے جس کی تعبیر مختلف قومیں مختلف طور پر کرتی ہیں۔ میں نے جو کچھ استانبول میں دیکھا اور جو کچھ وہاں رہ کر سنا اس سے صاف طور پر واضح ہو گیا ہے کہ اسلام اب ترکی قوم کی زندگی میں کوئی قوت عاملہ نہیں رہا ہے۔

ایران کو دیکھیے تو یہاں کی داستان بھی وہی ہے، اگرچہ بالکل ویسی ہی نہیں ہے۔ یہاں بھی ایک مطلق العنان بادشاہ ہے۔ جس نے باشندوں کو نئے سیاسی داعیات اور نئی امیدوں سے بھر دیا ہے۔ پرانے مذہبی جذبات کی جگہ نئے جذبۂ حب وطن نے لے لی ہے، اور لوگوں کی توجہات تمام تر اپنے شہروں کی تعمیر جدید، سڑکوں اور ریلوے لائنوں کی تیاری، کارخانوں کے قیام، تیل کے چشموں کی برآمد، فوج کی تنظیم و توسیع، ہوائی قوت کے اضافہ، ایک بحری بیڑے کی تعمیر، اور تعلیم عمومی کی اشاعت میں لگی

ہوئی ہیں۔ یہ ہیں وہ چیزیں جو ایران جدید کے دماغ میں بھری ہوئی ہیں، اور ان کے ساتھ اسلام کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

جب ہم عراق اور شام کے عرب کی طرف توجہ کرتے ہیں (اور میرا خیال ہے کہ بڑی حد تک فلسطین اور شرق اردن بھی اس کے شریک حال ہیں) تو وہاں بھی ہم کو یہی کیفیت نظر آتی ہے۔ میں نے ان عرب ریاستوں میں سے ایک ریاست کے ایک بڑے عہدہ دار سے دریافت کیا کہ آیا اس کا کوئی امکان ہے کہ کسی وقت تمام اسلامی ریاستیں متحد ہو کر عیسائیوں کا سر کچلنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوں؟ یہ عہدہ دار نہایت لائق اور مدبر آدمی ہے۔ اس کا جواب یہ تھا کہ ”نہیں۔ اس کا تو قطعاً کوئی امکان نہیں ہے۔ البتہ جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر علاقہ کے عرب خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی باہم متحد ہو کر غیر عرب اقلیتوں کو کچل ڈالیں گے۔ عام اس سے کہ وہ ارمنی ہوں یا آشوری، یا یونانی یا مسلمان“۔ یہ ایک بالکل نئی صورت حال ہے۔ عرب مسلمان عرب عیسائیوں کے ساتھ غیر عرب مسلمان کے مقابلہ میں متحد ہو رہے ہیں! ربع صدی پہلے تک اس قسم کی کسی چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر یہ قوم پرستی کا جن جو اکثر ملکوں پر آج کل مسلط نظر آتا ہے، نوجوان عربوں کے دماغ پر بھی چڑھا ہوا ہے۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان اسلامی ممالک پر سے مذہب کی گرفت ڈھیلی ہو رہی ہے۔ ایک نئی آتش فشاں قوت ٹھوس چٹان میں سے راستہ پیدا کر رہی ہے، اور پرانی سوتیں خشک ہو رہی ہیں۔

اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ مسیحی قوتیں کونسی ہیں۔ ایک تغیر کے معنی ایک نئے موقع کے ہیں۔ پہلی قوت تو وہ ہے جو پرانے مسیحی کلیساؤں کی شکل میں دوسری تیسری صدی عیسوی سے وہاں موجود ہے یعنی ارمنی کلیسا، آشوری کلیسا۔ اور یونانی کلیسا۔ ان کے بہت ہی حقیر باقیات اب وہاں رہ گئے ہیں جن کی حیثیت اسلامی سمندر میں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی سی ہے۔ ترکوں اور عربوں کے ساتھ اب تک

ان کا حال یہ رہا ہے کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے مذہب میں شامل نہیں کر سکتے تھے، اور اگر کسی نے کیا بھی تو وہ چنداں قابل التفات نہ تھا۔ مگر اب ایک تغیر شروع ہو گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کلیساؤں میں ایک نئی روشنی داخل ہو رہی ہے۔ انہوں نے بائیبل پڑھنی شروع کر دی ہے۔ وہ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی کے بہت شکر گذار ہیں کہ اس نے ان کی کتب مقدسہ کو جدید شکل میں شائع کیا ہے۔ جب اہل کلیسا اور عام عیسائی بائیبل پڑھنے لگیں تو ان میں روحانی زندگی پیدا ہونے کی امید کیجا سکتی ہے۔

دوسری چیز مسیحی مبلغین کی قوت ہے۔ یہ کارکنوں کی کوئی بڑی جماعت تو نہیں ہے، مگر جری اور بہادر جماعت ہے۔ اگر آپ مردم شماری کو معیار قرار دیں گے تو بلاشبہ آپ کہدیں گے کہ انہوں نے کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں کی، مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ مدتوں سے تخم ریزی میں لگے ہوئے ہیں اور بڑی سخت زمین میں تخم ریزی کرنے کا صبر آزما کام ان کے حصہ میں آیا ہے۔

ایک اور قوت وہ ہے جو ہمارے آج کے اجتماع کی شکل میں یہاں موجود ہے، یعنی بائیبل کی قوت۔ بائیبل ایک غیر جسمانی وجود ہے۔ تم اٹھ کر اسے پکڑ نہیں سکتے۔ تم اس کا سر نہیں توڑ سکتے جس طرح ایک مبلغ کا سر توڑ سکتے ہو۔ وہ ایک ایسی چیز ہے جو غیر محسوس طور پر خاموشی کے ساتھ اندر سرایت کر جاتی ہے اور ایسے ایسے طریقوں سے اپنا کام کرتی ہے جن کا آپ پہلے سے کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس کی ایک مثال ایک بڑے عہدہ دار کے ذریعہ سے میرے علم میں آئی۔ یہ عہدہ دار مسلمان ہے اور غیر عرب مسلم اقلیتوں میں سے ایک کا لیڈر رہے۔ اس کی قوم نے حال ہی میں تعلیم پانی شروع کی ہے۔ اس سے پہلے یہ لوگ بالکل جاہل تھے۔ ان کے پاس کتابیں نہیں تھیں۔ اب جو انہوں نے تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور اس کی وجہ سے ان میں لٹریچر کی مانگ پیدا ہوئی تو اس مسلمان لیڈر نے ان کو ایک کتاب دی تاکہ اس کا مطالعہ کریں۔ آپ کیا اندازہ کرتے ہیں کہ وہ کونسی کتاب ہو گی؟ وہ متی کی انجیل تھی جو ایک مسلمان لیڈر نے اپنی مسلمان قوم کو پڑھنے کے لیے دی!

ایک اور بات ہے جس کا ذکر، تقریر ختم کرنے سے پہلے، میں کر دینا چاہتا ہوں، وہ کتب مقدسہ کی تبلیغی قوت ہے۔ ایک مشنری پادری کہتا ہے کہ "آج کل تبلیغی حملہ کا سب سے زیادہ کارگر ہتھیار برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی کے سفیر ہیں۔ اسلامی ممالک میں علانیہ تبلیغ تو ہم کو کرنے نہیں دی جاتی اور اس میں ہر طرح مزاحمت کی جاتی ہے۔ مگر ایک کتب فروش کی حیثیت سے ہم وہاں کام کر سکتے ہیں۔ عیسائی مشنری تو وہاں خال خال ہیں۔ مگر ہمارے کتب فروش ایجنٹ ہر جگہ پہنچتے ہیں، دور دراز مقامات پر مقدس کتابیں لیئے ہوئے پھرتے رہتے ہیں، اور اپنی تلقین سے، تعلیم سے، کتب فروشی سے ہر جگہ چھوٹے چھوٹے چرچ وجود میں لا رہے ہیں۔

(پادری دلکنسن کی اس تقریر کے ساتھ اگر ہمارے برادران دینی ایک نظر برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ پر بھی ڈال لیں تو مناسب ہے۔ سنہ ۱۹۳۶-۳۶ء میں اس نے دنیا کی چھ زبانوں میں بائیبل کے ترجمے کئے ہیں، اور اب اُن زبانوں کی تعداد ۷۱۱ تک پہنچ گئی ہے جن میں بائیبل کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ ایک سال کے اندر جو نسخے تمام دنیا میں فروخت کئے گئے ہیں ان کی تعداد ۱۱۳۴۳۹۴۸ ہے۔ یورپ میں بائیبل کی اشاعت گھٹ رہی ہے، ایشیا اور افریقہ میں روز افزوں ہے۔ مغربی یورپ میں گذشتہ سال کی بہ نسبت اس سال پونے تین لاکھ نسخے کم فروخت ہوئے۔ اور ایشیا میں ۱۳ لاکھ ۶۳ ہزار کا اضافہ ہوا۔ ایران اور عراق میں ۶۵ ہزار، شام میں ۵۶ ہزار، شمالی افریقہ میں ۶۴ ہزار، ہندوستان میں تقریباً ۱۲ لاکھ اور چین میں تقریباً ۴۶ لاکھ نسخے فروخت ہوئے۔ یہ فروغ جو بائیبل سوسائٹی کے کام کو نصیب ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوم جس کو آپ لامذہب سمجھتے ہیں، پونے چار لاکھ پونڈ اپنی دینی کتاب کی اشاعت کے لیے صرف ایک سال میں صرف کر سکتی ہے۔)